خودرو

ایاز رسول

خود رَو

ایاز رسول

ترتیب و تہذیب :- فاروق نازکی

کمپوزنگ - ڈی ایس چوہدری

سرورق - تابش مسعود نقشبندی

سال اشاعت- 2001ء

قیمت- 200 روپیہ

آوازِ دوست پبلشرز

3 جیلان آباد پیرباغ سرینگر (کشمیر)

10 توی وہار کالونی سدرہ (جموں)

پیش لفظ

آیاز رسول کی غزلوں پر ایک نظر ڈال کر مجھے اس مسرت بخش تعجب کا احساس ہوا کہ اپنے گھر کے ثقہ علمی وادبی ماحول کے پروردہ ہونے اور اپنے والد بزرگوار میر غلام رسول نازکی کی روایت پسندانہ شعری شخصیت کے سائے میں اپنے شعری وجود کا ادراک کرنے کے باوجود وہ فکر و خیال اور اظہار و اسلوب کی تجد دپسندی کو اپنا شعار بنانے پر مائل رہے ہیں۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اُن کا تخلیقی ذہن روایتی شاعری کے حاوی اثرات کو من و عن قبولنے یا ان سے دب جانے کے بجائے اپنی آزادہ روی کا تحفظ کرتا رہا ہے۔ یہ آزادہ روی روایت سے نحراف نہیں کرتی بلکہ روایت کے شعور کو شعری اظہار کی تہذیب کا موقع بہم کرتی ہے اس طرح سے آیاز رسول نئی نسلوں کے اُن گنے چنے شعراء میں شامل ہو جاتے ہیں جو روایت اور جدیدت کیا امتناجی عمل سے لفظوں کی آئینہ بندی کرتے ہیں اور قاری کی حیرت کا سامان کرتے ہیں۔

آیاز رسول کا شعری سفر اس تاریخی دور سے شروع ہوتا ہے جب جدیدیت اپنے نقطہ ء عروج پر پہنچ چکی تھی اور مابعد جدیدیت کے لئے فضا سازگار ہو رہی تھی یہ 1970 کا زمانہ تھا

نئے شعراء کی یہ خوش بختی ہے کہ وہ اس نقطہ آغاز سے اپنے سفر کی ابتدا کرتے ہیں جو فن کے حوالے سے تخلیقیت کی ماہیت اہمیت او رامکان پزیری سے ان کی آگہی کا اشاریہ ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جدیدیت نے جہاں شعر کی رمزیت ،ابہام اور تضاد کا اثبات کرتے ہوئے شاعری کو آزاد اور حالی کے برہنہ اسلوب کے بجائے غالبؔ کے Oblique اسلوب سے رشتہ جوڑا وہاں مابعد جدید رجحان نے زندگی میں تاریکیوں کے ساتھ روشنیوں کا احساس تیز کیا اور زندگی اور کائنات کی بوقلمونی اور تناقضات کے احساس کو شدید کیا۔ ظاہر ہے نئے شعراء معاصر زندگی کے آشوب کا ادراک کرتے ہوئے اپنے حسیاتی اور جبلی تقاضوں سے دور نہ رہے ۔آیاز رسول کے سامنے بھی امکانات کی وسیع دنیا پھیلی ہوئی ہے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے کم عمر معاصرین کے دوش بدوش تجربے کے نئے منطقوں کو سمیٹنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں

آیاز رسول نے اپنے شعری ذہن کی تشکیل میں علاقائی سطح پر فطرت کے مظاہر کے علاوہ تہذیبی اور معاشرتی اقدار سے اکتساب فیض کرنے کے ساتھ ساتھ ملکی سطح پر اردو کی صدیوں پر پھیلی ہوئی شعری اور فکری روایات پر بھی نظر رکھی ہے چنانچہ کشمیر کے

موسموں کے بدلتے رنگوں، پھولوں، آبشاروں اور جھیلوں کو اپنی شعری شخصیت کا حصہ بنانے کے ساتھ ساتھ یہاں کے سیاسی اور سماجی اضطراب انتشار اور خوں گشتگی بھی انکے اشعار سے جھلکتی ہے اور یہ سارا اردو تہذیبی پس منظر سے مربوط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرؔ کے علاوہ ان کے یہاں ناصرؔ کاظمی اور ابنؔ انشاء کے اثرات کی نشاندہی آسانی سے کی جاسکتی ہے ان وسیع تر خارجی اور فکری اثرات کو قبولنے کے باوجود ان کے یہاں ذات پرستی کا رجحان موجود ہے وہ شخصی سطح پر گرد و پیش کی دنیا کے حالات پر نظر رکھنے کے علاوہ اپنے ذہنی، جمالیاتی اور جذباتی کیفیات کے جزر و مد کا احساس کرتے ہیں اور نرگسیت کے رجحان کے تحت اپنے مختلف جذباتی کوائف کو اجاگر کرتے ہیں۔ امید کی جاسکتی ہے کہ اُن کے شعری اسلوب میں جس قدر جامعیت ارتکاز اور ابہام کے اوصاف نمایاں ہوں گے، ان کی شعری دنیا اسی قدر وسیع اور جاذب نظر ہوگی۔

حامدی کاشمیری

تعارف

یہ رنگ ونور کا عالم، عجب ہے
کہ تجھ سا ہوں، مگر تجھ سا نہیں ہوں
(کمار پاشی)

آیاز رسول میرا چھوٹا بھائی ہے۔ وہ بھی چھوٹے بھائیوں میں سے ایک، یعنی چھٹے نمبر پر۔ اسکی صورت مجھ سے ملتی ہے۔ اسکے اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ کم گو، سنجیدہ، اور کم آمیز ہے، میں انجمن انجمن گھومنے پھرنے والا سیلانی، کبھی ایک بات پر ٹکنے والا نہیں۔ میرے خیالات اور نظریات میں میرے مزاج کی طرح تبدیلیاں اور ترمیمیں ہوتی رہتی ہیں۔ آیاز رسول ایسا نہیں، وہ اپنے عقاید، نظریات اور اصولوں کا پکا ہے۔ وہ بزرگوں کے بنائے راستوں کو اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ لیکن شعری اور فنی معاملات میں تقلید سے شعوری طور پر احتراز کرنا اسکی، پہچان بن گیا ہے۔ اپنے والد کے بیشتر اشعار اسے از بر ہیں۔ لیکن اسکی طرز ادا پر اسکے والد کے انداز بیان کا شائبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔

ایازؔ رسول فطرتاً شاعر ہے۔ مصوری اور فوٹو گرافی اسکے محبوب مشغلے رہے ہیں۔ تاریخ عالم، مذاہب، فلسفہ اور سائنس اُس کے مطالعے کے محبوب شعبے ہیں۔ وہ Internet پر ابن عربی سے لیکر سٹیفن ہاکنگ تک ہر معاملے سے باخبر رہتا ہے۔ ایازؔ رسول نے پنجاب کی زرعی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اپنے شعبے میں اس کا نام ہے لیکن اردو شاعری سے اس کی پہچان ہے۔ اردو کی محبت اس کو ورثے میں ملی ہے۔ گزشتہ 70 سال سے ہمارا خاندان اردو کلچر کا گھوارہ رہا ہے۔ ہمارے خاندان میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ، حالیؔ اور اقبالؔ کا پڑھنا بھی لازمی رہا ہے۔ ہمارے والد میر غلام رسول نازکیؔ نے صرف 18 سال کی عمر میں کشمیر کے ایک گمنام گاؤں ماڈر (بانڈی پورہ) میں اردو کی شمع روشن کی، اور دیکھتے دیکھتے لاہور، دہلی اور حیدر آباد کے اردو ایوانوں میں اسکی روشنی چمک اٹھی۔ ادبی دنیا، ہمایوں، زمیندار، اور جوشؔ ملیح آبادی کے کلیم دہلی، اور اسکے بعد ادب لطیف، سے لیکر صبا حیدر آباد تک نازکی صاحب کی پذیرائی ہوتی رہی۔ اس پس منظر میں ایاز رسول کا اردو زبان وادب سے آشنا ہونا، کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔

ایازؔ نہایت کم عمری میں والد اور مجھ سے چھپ چھپا کر شعر کہنے لگا تھا۔ مجھے ابتدا سے ہی اسکے شاندار مستقبل کا یقین تھا۔ 1970 میں جب

وہ ترو پتی کے ویٹرنری کالج میں زیر تعلیم تھا۔ تو اس نے شمس الرحمٰن فاروقی سے مراسلت شروع کی تھی۔ مجھے اس بات کا علم اس وقت ہوا جب سپرو ہاؤس میں آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس نے مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ اس مشاعرے میں شمس الرحمٰن فاروقی بھی مدعو تھے۔ انہوں نے علیک سلیک کے بعد مجھ سے ایاز رسول کی خیر خبر دریافت کی۔ اس بات سے مجھے انتہائی خوشی ہوئی کہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ذہن پر ایاز رسول کا نام نقش ہو چکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شب خون جیسے مقتدر رسالے میں ایاز کی پذیرائی ہوئی اور ملک کے جدیدی حلقوں میں اُس کا ذکر ہونے لگا۔ ایاز رسول فطرتاً کم گو ہے۔ شعر کہنے میں بخل کی ایک اور وجہ اپنے پیشے سے والہانہ محبت بھی رہی ہے۔ میں اسکی کم گوئی سے بہت خوش ہوں، کم کہنا بہر حال بسیار مگر بے ہودہ گوئی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کم کہتا ہے خوب کہتا ہے۔ ایاز رسول کے کلام کو اعتبار کی سند حاصل ہے۔ قمر رئیس کی کتاب "معاصر اردو غزل" میں ناقد محمد عقیل رضوی نے لکھا ہے۔

"جدید سے جدید تر غزلیں جنہیں اب پوسٹ ماڈرنزم کی تخلیق سمجھنا چاہیئے اُن میں بھی یہ راست اظہاری کی کیفیت پھر سے پیدا ہو رہی ہے۔ شاید غزل کے ابہام سے چھٹنے کے بعد، اظہاریت کی تیز لے کا یہ اثر

ہو سکتا ہے۔ یہ سبب ابہام کے مسترد ہونے کا بھی ہو سکتا ہے۔ شب خوں 1992 ء میں ایاز رسول کی ایک غزل چھپی ہے جس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں!۔

میں سپیدے کا پیڑ ہوں لیکن	برف نے میری ٹہنیاں توڑیں
اس کے پردے ہوا ہلا پاتی	میرے کمرے کی کھڑکیاں توڑیں
میرے بچپن میں ایک بوڑھا تھا	اُس کے بیٹوں نے لکڑیاں توڑیں
وہ اترنے سے خوف کھاتا تھا	اُس نے چڑھتے ہی سیڑھیاں توڑیں

یہ غزل ایک ''مستند'' رسالے سے پیش کی گئی ہے جسے اہتمام سے پورے صفحے پر چھاپا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یہ اقتباس اس بات کا کھلم کھلا اظہار ہے کہ آیاز رسول کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ''ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما'' کے مصداق جدید شعرا میں اس کی ایک الگ شناخت ہے۔ آیاز نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ میں اُسے غزل کے شاعر کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ وہ اچھی پیاری اور شوخ غزل کہتا ہے۔ ؎

دل کا قصہ وہی پرانا ہے

پھر نئے ڈھنگ سے سنانا ہے

وقت حاصل کر پاتا ہے جب وہ فن کار کے باطن ہی نہیں بلکہ اسکے تخلیقی عمل کا حصہ بن جائے۔ ان اشعار میں ایاز رسول کی رفعت فکر تجربے کی گہرائی مطالعے کی وسعت اور مشاہدے کی گیرائی قابل تحسین ہے۔

تو نے بھی چاند میں چہرہ دیکھا
تو بھی آسیب زدہ ہے شاید
برف آئی ہے بارشوں کے بعد
یہ کرم ہے نوازشوں کے بعد
گھروں میں شور بھی اب تھم گیا ہے
گلی سے فوج بھی اب جا رہی ہے
دل کی قسمت میں نیم خوابی ہے
یہ تہجد گزار ہے اب بھی
تمہارا نام لکھتا آسماں پر
مرا مسکن نہیں ہے کہکشاں پر

آپ بھی میری طرح محسوس کریں گے کہ وہ کس طرح اپنی ذات کی بظاہر چھوٹی سی دنیا میں کائنات کو سمونے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اسکے دل کی وسعتوں کو چاند تاروں کی ردا کبھی کم پڑتی ہے۔ وہ کہکشاں در کہکشاں سفر سے لوٹ کر واپس حصار ذات میں پناہ لیتا ہے۔

اپنی پہچان کے مسائل ہیں

شعر کہنا تو اک بہانہ ہے

روشنی کی ٹھنی ہے ظلمت سے

تم ستم کس لئے سہو، سولو،

پھونک دو بادباں چراغوں کے

بحر ظلمات میں بہو، سولو

ٹوٹے پھوٹے چراغ لے کر بھی

روشنی میں شمار ہونا تھا.

گل شمایل کی آمد آمد تھی

اس خزاں کو بہار ہونا تھا

ادھر جدیدیت اور پس جدیدیت کے حوالوں سے شاعری پر بہت بحث ہورہی ہے۔ یہ اصطلاحیں، تنقید اور شعر کی تاریخ اور تجزیے کے لئے ضروری سہی۔ لیکن شعر کی پرکھ کے لئے زمان ومکان کی قید لازمی نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں کسی ادبی رجحان کو ایک تحریک یا منشور کے طور پر شاعری میں برتنا فن کار کے لئے ضرر رساں رہا ہے۔ شعری تجربہ، خارجی عوامل سے اثر پذیر ہوتا تو ہے لیکن تجربے کی گہرائی اسی

اماں کہیں بھی نہیں ، دھوپ میں نہ چھاؤں میں
پڑا ہے درد کا موسم ہمارے گاؤں میں
بحرِ ظلمات میں غرقاب ہوئی ہے لوگو
روشنی اب کے گراں خواب ہوئی ہے لوگو
ایک اک کر کے گرے جاتے ہیں بستی کے مکاں
کوئی کھیتی کہیں سیراب ہوئی ہے لوگو

جنگل جنگل بھٹکوں گا
رشتے ناطے توڑوں گا
بھاپ کی صورت اڑتا ہوں
بادل بن کر برسوں گا

یہی جستجو، یہی تگ ودو یہی وارفتگی، یہی صحرانوردی اور یہی خلوت گزینی جہاں عہد حاضر کے شاعر کو ایک نئی پہچان عطا کرتی ہے وہاں شاعری عہد حاضر کی تفسیر اور بعض ایسے خوابوں کی تعبیر بن جاتی ہے جن کا عکس بھی آئینہء ادراک میں نظر نہیں آتا۔ یہ عہد علم کی ناپائیداری اور تجربوں کی خام کاری کا عہد ہے۔ حقائق کی توجیہات سحر

تا شام بدلتی رہتی ہیں۔ نت نئی باتیں دریافت ہوتی ہیں اور جو اکتشافات پہلے ہوئے تھے، وہ قلیل مدت میں فرسودہ ہو کر رہ جاتے ہیں ۔انسان پر نئی ایجادات تابڑ توڑ حملے کرتی ہیں اور انسان فطرت پر یلغار کیۓ جارہا ہے۔ یہ دور آگہی سے زیادہ آشوب آگہی کا دور ہے۔ ہمارے مستقبل کا تعین کوئی فلسفہ کسی سخن ور کا نغمہ، یا کسی صوفی اور جوگی کا ''کہا'' نہیں کر سکتا۔ ایک میزائل پر جو خرچ آتا ہے اُس سے دس ہزار لوگوں کے لئے ہسپتال تعمیر ہو سکتا ہے۔Cyber شہر آباد ہو رہے ہیں لیکن کروڑوں لوگوں کے پاس پینے کے پانی کی سہولیت نہیں۔ برصیغر میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کے گھروں میں چور داخل ہو تو شرما جائے ۔ یا کم از کم ایک وقت کے کھانے کا بندوبست کر کے نکل جائے۔ ہم تقدیر کے مارے نہیں، بلکہ اپنی تدبیروں کے بھنور میں پھنسے ہوئے لوگ ہیں۔ ہماری ایجادیں ہمارے لئے غیر یقینیت کا تعین کرتی ہیں ۔مجھے خوشی ہے کہ آیاز رسول کے دماغ میں نئے عہد کی جوالا مکھی اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے۔ اُس میں اُبال آتا ہے تو لعل و گہر کے ساتھ رطب ویابس کو بھی خارج کر دیتا ہے۔

ان گنت پیڑ تھے پیڑوں پہ جھکا تھا بادل
میرے بچپن میں یہاں پر تھا گھنا سا جنگل
مری ماں نے مجھ کو جنم جب دیا تھا
میں لاشوں کے انبار پر جاگرا تھا
گلی میں شور محشر سا بپا ہے
گھروں سے لوگ باہر آگئے ہیں
جہاں پہ کوئی نہ منتظر ہو
وہاں پہ مجھ کو اُتار دینا

ایاز رسول کی خارجیت کا کینواس نہایت وسیع ہے۔ ایک خوبصورت روح پرور مقام میں اسکی پیدائش ضرور ہوئی لیکن اسکی نظر میں گلوب ہر وقت گھومتا رہتا ہے۔ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے ہو بوسینا میں بھی ہے۔ فلسطین ، تمور اور دوسری جگھوں پر بھی ہے۔ لزٹیلر آٹھویں طلاق کے بعد یہ تجربہ اسی صورت میں دہرائے گی جب اسکی نظر میں کوئی مرد بچہ جچے گا۔ کلنٹن نے مونیکا کو ایک لافانی عشقیہ کردار بناڈالا ۔ دنیا کی عظیم ترین طاقت کا سربراہ ایک پرشباب حسینہ کے سامنے جھک گیا۔ ٹی وی کے ذریعے اقوام عالم کے سامنے اپنی جنسی تجربہ پسندی

کے جواز میں دلیلیں دیتا رہا اور شکاگو یونیورسٹی کے اساتذہ اخلاقیات پر درس دیتے رہے۔ ایاز رسول کے کلام میں یہی حسیت کارفرما ہے۔ یہی Sensitivities اور Sensibilities ہیں جو اس کے کلام کو وسعتیں عطا کرتی ہیں۔

شہر تیں تو سمیٹ کر لے جا
میرے حصے کی تہمتیں رکھ دے
کیسا ہم نے سوچا، تو
کیسا آخر نکلا ،تو
امیر شہر نے رستے بنالئے لیکن
سروں سے سایہ شاخ چنار لے کے گیا
ہمارے بس میں نہیں تھا کہ اس کو روک سکیں
یقین لے کے گیا ،اعتبار لے کے گیا

ایاز رسول، ناز کی خاندان کے اردو سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ یہ زبان اب ہمارے گھروں سے نکالی جا رہی ہے۔ میں نے اپنے بچوں کو حالی اور اقبال بطور اختیاری مضامین کے بھی نہیں پڑھائے۔ میں اردو دنیا کو اپنے خاندان کا شاید آخری ارمغان پیش کرتے ہوئے فخر بھی محسوس کرتا ہوں اور افسوس بھی!

فاروق نازکی

تسنیم کے نام :

گلشن گلشن جن کی خوشبو پھیل گئی
شعر وہ میں نے تیری خاطر لکھے ہیں

ہر چند شد لبم چو لبِ جُو ز شعر تر
ہستم ہنوز تشنۂ اشعارِ آبدار

(غنیؔ کشمیری)

☆

پانی صحرا صحرا دے
مجھ کو دریا دریا دے

آج کڑکتی دھوپ سہی
کل کو اپنا سایا دے

ریزہ ریزہ بانٹ سکوں
دل بھی مجھ کو ایسا دے

نیلے نیلے ساگر میں
مُجھ کو ایک جزیرہ دے

آنے والے موسم میں
خوشبو کا اِک جھونکا دے

کالی کالی راتوں میں
ایک چمکتا تارا دے

سونی سونی پلکوں پر
خواب سہانا کل کا دے

☆

چاہے صحرا کی وسعتیں رکھدے
میرے ہمراہ وحشتیں رکھدے

شہرتیں تو سمیٹ کر لے جا
میرے حصے کی تہمتیں رکھدے

رُوبرُو مل کے اوب جائیں گے
درمیاں پھر وہ چلمنیں رکھدے

اب تو یادوں کے قافلے بھی گئے
نیم شب کی یہ آہٹیں رکھدے

شب کی تنہائیاں قبول مگر
یہ تصور کی دستکیں رکھدے

میرے سونے سے اس بچھونے پر
آ کے دو چار سلوٹیں رکھدے

☆

میں سپیدے کا پیڑ ہوں لیکن
برف نے میری ٹہنیاں توڑیں

اس کے پردے ہوا ہلا پاتی
میرے کمرے کی کھڑکیاں توڑیں

میرے بچپن میں ایک بوڑھا تھا
اس کے بیٹوں نے لکڑیاں توڑیں

وہ اُترنے سے خوف کھاتا تھا
اس نے چڑھتے ہی سیڑھیاں توڑیں

اس حویلی کے لوگ سوئے تھے
ہم نے دستک میں اُنگلیاں توڑیں

اسپ تازی نے رات پھر شاید
اپنی مضبوط رسیاں توڑیں

☆

گئے ہیں وہ کب کے وہاں سے میاں
اڑے دھول اب بھی جہاں سے میاں

ابھی دور ساحل ہے چلتے رہو
نہ الجھو ابھی بادباں سے میاں

جو ترکش سے پہلے نکلتا نہ تھا
نہیں چھوٹتا اب کماں سے میاں

میرے واسطے راکھ بھر لائیو
گزر ہو اگر آشیاں سے میاں

بہت رات بیتی سبھی چلدئے
چلے آئے ہم بھی وہاں سے میاں

☆

ابھی میرے صحرا سے گزری ہوا تو
اُدھر بن پہ برسی ہے کالی گھٹا تو

کھلی دُھوپ میں پھر مجھے یاد آیا
بڑی تیز بارش میں بھیگا ہوا تو

کسی راستے پر اگر مل بھی جاتے
مجھے کس حوالے سے پہچانتا تو

ترے خط کا مضمون ہم بھانپتے ہیں
بہت کوششیں کیں، نہیں آسکا تو

مرے من کے گنبذ سے باہر نہ نکلی
مری خامشی میں مقید صدا تو

میں چھوٹا سا ذرہ تری دُھن میں حیراں
میں بندہ ہوں ناچیز اور کبریا تو

☆

کیسا ہم نے سوچا تُو
کیا آخر نکلا تُو

فرزانوں کی بستی میں
ایک ہی بس دیوانہ تُو

تُو بھی ہار کے بیٹھ گیا
جیت گیا میں ہارا تُو

بَن میں تنہا تنہا تھا
مَن میں اکثر گھوما تُو

جب بھی سمجھا سمجھا میں
جب بھی سوچا سوچا تُو

آنے والے موسم میں
کس کا ساتھی ہوگا تُو

تُو تو میرے دل میں تھا
اس کے باہر کب تھا تُو

تجھ کو وہ دن یاد نہیں
میں جب روتا روتا تُو

کیا کچھ مجھ سے چھوٹ گیا
کیا کچھ ہوتا ہوتا تُو

☆

چڑھتا دریا اُتر گیا میں بھی
سر سے پانی گزر گیا میں بھی

رات کی تو فصیل اُونچی تھی
پار کیسے اُتر گیا میں بھی

اس میں تو بھی تو ٹوٹ پھوٹ گیا
ریزہ ریزہ بکھر گیا میں بھی

پانچ بجتے ہی لوٹ آتا ہوں
اب کے شاید سدھر گیا میں بھی

اس چورا ہے پہ بھیڑ اتنی تھی
تو نہ آیا تو گھر گیا میں بھی

تُو نے دیکھا مجھے تو گھبرایا
اپنے سائے سے ڈر گیا میں بھی

دن میں ثابت تھا اور سالم بھی
شام ہوتے بکھر گیا میں بھی

☆

بند کمرے کی کھڑکیاں رکھنا
پھر کتابوں میں تتلیاں رکھنا

تپتے صحرا پہ شبنمی سائے
میرے ماتھے پہ انگلیاں رکھنا

سردیوں میں ٹھٹھر کے سیکھا ہے
گھر میں سوکھی سی لکڑیاں رکھنا

جو بھی تنکے سمیٹنے نکلے
گھات میں اُس کی بجلیاں رکھنا

گھرگرہستی کا راز اتنا ہے
گھر میں اپنے نہ آندھیاں رکھنا

☆

سوکھے پتوں کی صدا ہے شاید
چل رہی تیز ہوا ہے شاید

کوئی دیپک نہ جلانے دے گی
رات بھی مجھ سے خفا ہے شاید

گھر کی دہلیز پہ پاؤں تیرا
ایک ہلکا سا نشہ ہے شاید

خودبخود گل ہوئے کمرے کے چراغ
تو مجھے دیکھ چکا ہے شاید

تو نے بھی چاند میں چہرہ دیکھا
تو بھی آسیب زدہ ہے شاید

☆

برف آئی ہے بارشوں کے بعد
یہ کرم ہے نوازشوں کے بعد

دل کا تختہ اُلٹ گیا آخر
سالہاسال سازشوں کے بعد

چشم ساقی بھی ہوگئی روپوش
رات دن کی نمائشوں کے بعد

کوئی خواہش نہ اپنی پوری ہو
یہ بھی خواہش ہے خواہشوں کے بعد

پھر ستانے کی بات آئے گی
میٹھی میٹھی ستائشوں کے بعد

☆

کڑکتی دھوپ میں سب برگ و بار لے کے گیا
شجر ہمارے سبھی سایہ دار لے کے گیا

امیر شہر نے رستے بنا لئے لیکن
سروں سے سایہ شاخ چنار لے کے گیا

سُنا ہے اب کے وہ صحرا میں معتبر ٹھہرا
چمن سے جو بھی اُڑا کر بہار لے کے گیا

امین شہر کا سایہ سروں پہ قائم ہے
چھتیں ہمارے گھروں کی اُتار لے کے گیا

ہمارے بس میں نہیں تھا کہ اُس کو روک سکیں
یقین لے کے گیا ، اعتبار لے کے گیا

☆

اَن گِنت پیڑ تھے پیڑوں پہ جھکا تھا بادل
میرے بچپن میں یہاں پر تھا گھنا سا جنگل

گود میں ماں کی پڑا رہتا کہانی سُنتا
کوئی طوطا کسی مینا کے لگاتا کاجل

یہی سورج تھا اِسی طرح دہکتے دن تھے
میرے سر پر سے نہ ہٹتا کبھی ماں کا آنچل

میری نظروں میں وہ چھوٹی سی گلی ہے اب تک
میرے آنے پہ وہ چپکے سے بجاتی پایل

اتنے برسوں سے نہیں بھول سکا ہوں لیکن
تیرے ہاتھوں کا بنا ساگ وہ اُبلے چاول

☆

مری ماں نے مجھ کو جنم جب دیا تھا
میں لاشوں کے انبار پر جاگرا تھا

جہاں پر تمہاری رِدا چھن گئی تھی
وہیں پر ہمارا بھی بازو کٹا تھا

یہیں پر اسے جان دینے کی ضد تھی
یہیں سے وہ پرچم اٹھائے چلا تھا

مجھے سات چہروں کی صورت ملی تھی
تذبذب میں ہر اِک مجھے دیکھتا تھا

میں لوگوں کی اِس بھیڑ میں سوچتا ہوں
مرانام کیا ہے مرا نام کیا تھا

قبیلے میں قلندر آ گئے ہیں
فصیلیں سب گرا کر آ گئے ہیں

پرانے کچھ کلینڈر آ گئے ہیں
تری یادوں کے دفتر آ گئے ہیں

کبھی اونچے پہاڑوں نے بھی روکا
کبھی آگے سمندر آ گئے ہیں

وہ رنگوں کے صحیفے آ رہے ہیں
یہ خوشبو کے پیمبر آ گئے ہیں

پری کو دیوزاد اب لے اڑیں گے
لئے ہاتھوں میں خنجر آ گئے ہیں

گلی میں شور محشر سا بپا ہے
گھروں سے لوگ باہر آ گئے ہیں

الگ یہ بات پھل بھی گر پڑے تھے
مری جھولی میں پتھر آ گئے ہیں

☆

ساحل پر اک ناؤ جو دیکھی ہم نے بتایا نام ترا
تنہائی کے ساگر میں بس ایک جزیرہ نام ترا

چاند کے اُجلے باشندے کل میرے آنگن اُترے تھے
چاند سا چہرہ ایک دکھا کر مجھ سے پوچھا نام ترا

پربت پیچھے بن میں تو ہی مجھ سے ملنے آتی تھی
چہرہ اب بھی یاد ہے لیکن ذہن سے اترا نام ترا

دن کے کورے کاغذ پر کچھ نام ہوا نے لکھے تھے
شام ہوئی تو ہم نے دیکھا شعر ہوا تھا نام ترا

تم کو چھونے کی حسرت میں تیرے خط کو چھوتے ہیں
تم کو چوما ہم نے جیسے ہم نے چوما نام ترا

چاند نہیں ہے جام نہیں ہے شعر کے پنچھی روٹھ گئے
غم کی کالی رات پڑی ہے ایک سہارا نام ترا

☆

مجھ میں جو بھی رہتا ہے
شعر وہ اچھے کہتا ہے

دیواریں پھر ہلتی ہیں
مجھ میں پھر وہ جاگا ہے

خود سے بھی پہچان نہیں
وہ بھی کتنا تنہا ہے

برسوں میرا سنگی تھا
اب وہ ساتھی تیرا ہے

صحراؤں میں رہتا تھا
پانی میں اب ڈوبا ہے

میں کب اُس کے جیسا تھا
وہ کیوں میرے جیسا ہے

ہم نے دل سے مان لیا
ناصؔر شاعر اچھا ہے

(ناصؔر کاظمی)

☆

رات کو تیری زُلف کا جادو جب سر چڑھ کر بولے گا
من کا دیا کُل آگ کا پنچھی اُڑنے کو پر تولے گا

جنگل جنگل دُھوم مچے گی دریا ہونگے بے قابو
پتی پتی جھوم اٹھے گی گھونگھٹ کوئی کھولے گا

کس کی واہ ری قسمت ہوگی کس کے ہونگے بھاگ ہرے
رات سی کالی زلفیں اوڑھے لمبی تان کے سولے گا

سورج بھی اک سنیاسی ہے مارا مارا پھرتا ہے
پربت پیچھے بن میں جاکر گٹھری اپنی کھولے گا

اس کی باتیں سننے والو وہ تو پاگل پریمی ہے
بول تو میٹھے بول رہا ہے زہر تو دل میں گھولے گا

☆

ہرے بھرے سے چنار دینا
بہار دینا بہار دینا

یہ سارے قرضے اتار دینا
خزاں کا موسم گزار دینا

کبھی تو رب کریم چاہے
ہماری قسمت سنوار دینا

بہت دنوں سے سکوں نہیں ہے
سکون وصبر و قرار دینا

میں کالے پانی میں گھر گیا ہوں
مجھے بھی راہِ فرار دینا

جہاں پہ کوئی نہ منتظر ہو
وہاں پہ مجھ کو اتار دینا

مرے جنوں کا یہی ثمر ہے
میں جیت جاؤں تو ہار دینا

☆

خود کو حالات سے اسطرح بچا کر رکھنا
ہاتھ میں اپنے اٹھائے ہوئے پتھر رکھنا

اُس کا انداز وفا کتنا جدا ہے یارو
سال ہا سال فقط ایک کلینڈر رکھنا

برف پر دھوپ کا منظر ہے سہانا لیکن
اُن کے نزدیک یہی دھیان میں منظر رکھنا

لمبے سائے بھی میرے شہر میں ٹھہرے ممنوع
اپنے سائے کو کسی قد کے برابر رکھنا

اب کے موسم میں یہ فرمان ہوا ہے جاری
اپنے باغوں میں ہر اک پھول پہ پتھر رکھنا

سہمے جاتے ہیں جو دریا کے تصور سے آیاز
اُن کے رستے میں اُٹھا کر نہ سمندر رکھنا

☆

دھوکا اس میں کھانا ہوگا
دل کو یہ سمجھانا ہوگا

ہجر کی نگری جل جائے گی
وصل کے گاؤں جانا ہوگا

تیرا چہرہ دیکھے جانا
گزرا ایک زمانہ ہوگا

میں بھی اُس کو جان گیا ہوں
تُو نے بھی پہچانا ہوگا

ہم سے ملنے وہ کیوں آتے
سوچا ایک بہانہ ہوگا

گیت یہ میرا لیتے جانا
تنہائی میں گانا ہوگا

سانسیں کتنی بھاری ہوں
خود سے بوجھ اُٹھانا ہوگا

پچھلی رُت کے پنچھی کو
اگلے موسم آنا ہوگا

☆

زباں جب ترے نام پر آگئی
کہانی بھی انجام پر آگئی

اگر شعر کہنا بھی ہم سے چھٹا
چلو زندگی گام پر آگئی

گلی میں فرشتہ کوئی آگیا
کوئی روح اُس بام پر آگئی

محبت کی سرحد سے باہر ابھی
وہ تفہیم وافہام پر آگئی

کئی دن کی ہڑتال آخر کھلی
تری یاد بھی کام پر آگئی

☆

چاہے تم انکار کرو
یاد تو آتا ہی ہوگا

مجھ سے ہنس کر کہتا ہے
تو تو روتا ہی ہوگا

ایک جزیرہ اپنا تھا
وہ بھی ڈوبا ہی ہوگا

اُس سے ملتے بھی ہونگے
خط بھی لکھتا ہی ہوگا

یاد تمہاری آتی ہے
تو بھی آتا ہی ہوگا

میلوں لمبا رستہ بھی
آخر کٹتا ہی ہوگا

رات کی پریاں قید ہوئیں
سورج چڑھتا ہی ہوگا

پھر نیزے پر پرچم ہے
ڈنکا بجتا ہی ہوگا

☆

رات اِس کمرے میں آکر چاند بھی روتا رہا
سارے عالم سے جڑا ہے میرے غم کا سلسلہ

برف کی اجلی سی چادر تان کر سو جائے گا
میرے باغیچے کا مالی اس قدر بوڑھا نہ تھا

اُس کی ضد پر ہم نے چپو بھی حوالے کر دیئے
اب ولر ہے ناؤ ہے اور فرش ہے ٹوٹا ہوا

دل دھڑکنے کا سبب تاروں سے پوچھا تھا مگر
سوکھا پتہ ایک میرے سامنے آکر گرا

اب تمہاری زندگی کی دھوپ ڈھلتی ہے ایازؔ
راہ سونی رات کالی تُو کدھر کو جائے گا

☆

پھر لہو میں اُتر گیا شاید
آنکھ تک آ کے ڈر گیا شاید

اب سیاہی سے خوف آتا ہے
مجھ میں سورج اتر گیا شاید

میں کہ تھا اک مکاں کرائے کا
چھوڑ کر مجھ کو گھر گیا شاید

رات دریا میں اک تلاطم تھا
پار کوئی اُتر گیا شاید

صبح آئی ہے آج کچھ پہلے
رات بیمار مر گیا شاید

☆

یوں کب جانے جاتے ہیں
سب ہی ہاتھ ملاتے ہیں

دل کے روگی ہی اکثر
اپنا بھید چھپاتے ہیں

دشمن سے بھی ہوڈ بھیڑ
رسماً ہاتھ ملاتے ہیں

جتنا دل سے دور ہوئے
اتنا پیار جتاتے ہیں

اپنی قوم کے غیرت مند
سب کا خون بہاتے ہیں

زندہ رہیے میر آیاز
کس پر جان گنواتے ہیں

☆

گردفا کا حساب کرلیتے
ہم تجھے لاجواب کرلیتے

عُمر بھر کا یہ روگ پالا ہے
عشق سے اجتناب کرلیتے

اِک کرن ہی اگر میسر ہو
ہم اُسے آفتاب کرلیتے

وہ جو انمراد اپنی سانسوں کا
ہر گھڑی احتساب کرلیتے

زندگی ہم کو مل گئی ہوتی
ہم ترا انتخاب کرلیتے

☆

زمانے کی خاطر نہ اشعار لکھ
زمانے کی خاطر تو اخبار لکھ

زمانہ تری دسترس میں نہیں
قلم ہاتھ میں ہے تو اشعار لکھ

ستم کی کوئی بات منہ سے نہ کہہ
کرم کی کوئی بات ہر بار لکھ

بڑی دوستوں کی ثنا ہوگئی
ہے موزوں اب مدح اغیار لکھ

وہ جنگل کا دامن بھی نوچیں تو کیا
تو صحرا کے سینے پہ اشجار لکھ

منور صحیفے فرشتوں کے پڑھ
بدن کے تقدس کا کردار لکھ

☆

جو بھی گلشن سے ہو کے آیا تھا
لو بڑھا کر گیا وہی جھونکا

میں خموشی کی لاش سے نکلا
تیری آواز کا لہو ٹپکا

جو ترے در سے اُٹھ کے آیا تھا
وہ کسی در پہ پھر نہیں ٹھہرا

موم کی تھی نبی نہیں ٹوٹی
اور پتھر تھا میں بہت ٹوٹا

ہے اماوس کی رات میں خوش ہوں
چودھویں شب میں تو تڑپتا تھا

یاد کرتا ہوں بھول جاتا ہوں
نام کچھ کچھ ایاز جیسا تھا

☆

یہی وہ موج ہے جس سے لگاؤ ایسا تھا
وہ ڈوبتا ہی گیا تھا بہاؤ ایسا تھا

میں اُس سے دُور ہی رہ کر نکل گیا ہوتا
مجھے بھی کھینچ لیا تھا" سبھاو " ایسا تھا

اگر چہ ایک ہی کمرے میں رات گزری تھی
میں اُس کو دیکھ نہ پایا تناؤ ایسا تھا

ملاتوسب سے وہ ہنس کر بہت سلیقے سے
کوئی نہ دیکھ سکا اُس کا گھاؤ ایسا تھا

وہ روز خود کو بٹھاتا تھا لاکے منڈی میں
خود اپنے بھاؤ لگاتا بکاؤ ایسا تھا

کڑکتی دھوپ میں وہ تھا چنار کا سایہ
جسے نہ چھوڑ سکا میں پڑاؤ ایسا تھا

☆

جہاں ہم تمہاری پناہوں میں تھے
وہاں سبز سائے بھی راہوں میں تھے

میاں دھول آنکھوں میں جھونکی گئی
کئی لوگ میری نگاہوں میں تھے

زمانہ مرے ساتھ تب بھی نہ تھا
مگر تم مرے خیر خواہوں میں تھے

وہی محتسب ہیں انہیں کیا کہیں
وہ شامل ہمارے گناہوں میں تھے

کہیں پر تو بجلی گری ہے آیاز
کئی کارواں اب بھی راہوں میں تھے

☆

وعدہ کرنا ہے یا وفا کرنا
مجھ سے کہدے تجھے ہے کیا کرنا

جن کی آنکھوں سے آگ برسی تھی
اُن کی باتوں پہ غور کیا کرنا

سوکھے پتوں میں آگ لگتی ہے
تم چراغاں نہ اس جگہ کرنا

یہ بھی ممکن ہے اگلے موسم میں
آہی جائے اُنہیں وفا کرنا

عین ممکن ہے مستجاب بھی ہو
اُن کی آمد کی تم دُعا کرنا

میں الجھتا ہوں اب خداؤں سے
تم مرے واسطے دُعا کرنا

☆

سر پہ اُس کا آنچل تھا
دوست ہمارا بادل تھا

ہر سو جب تھی ہریالی
گاؤں گاؤں جنگل تھا

باتیں کرتا پیڑوں سے
میں بھی کیسا پاگل تھا

گھر میں چولھا چکی تھی
ساگ، دہی اور چاول تھا

سارے غول میں ہلچل تھی
ایک پرندہ گھایل تھا

جوہی گیندا وہ گیسو
پھول بدن و صندل تھا

☆

تاروں سے پوچھتے ہیں کبھی کہکشاں سے ہم
مصروف گفتگو ہیں ابھی آسماں سے ہم

بجلی گری تھی دُور کہیں رات ہم نشیں
ہو کر اُٹھے ہیں خاک ابھی آشیاں سے ہم

تیری تو خامشی میں کئی راز تھے رقیب
مایوس ہو گئے ہیں لب دوستاں سے ہم

اپنے لہو سے ہم نے جو لکھی تھی حرف حرف
خارج ہوئے ہیں آج اُسی داستاں سے ہم

خوشبو گلاب کی جو اُڑی کھو گئی ایازؔ
ایسے اُٹھے ہیں آج تیرے آستاں سے ہم

☆

تاروں سے پوچھتے ہیں کبھی کہکشاں سے ہم
مصروفِ گفتگو ہیں ابھی آسماں سے ہم

بجلی گری تھی دُور کہیں رات ہم نشیں
ہو کر اُٹھے ہیں خاک ابھی آشیاں سے ہم

تیری تو خامشی میں کئی راز تھے رقیب
مایوس ہو گئے ہیں لبِ دوستاں سے ہم

اپنے لہو سے ہم نے جو لکھی تھی حرف حرف
خارج ہوئے ہیں آج اُسی داستاں سے ہم

خوشبو گلاب کی جو اُڑی کھو گئی ایازؔ
ایسے اُٹھے ہیں آج تیرے آستاں سے ہم

☆

رات کی رات تُم نہ جاتے تھے
اس طرح دل نہیں دُکھاتے تھے

اُن دنوں گھر میں ایک رونق تھی
لوگ آتے تھے لوگ جاتے تھے

میرے نقش قدم سے لوگ کبھی
تیرے گھر کا سُراغ پاتے تھے

اُن کی آنکھوں میں گو سمایا تھا
اور بھی پاس کچھ بلُاتے تھے

میری ماں نے کہا تھا کل مجھ سے
تُم بھی ہنستے تھے مُسکراتے تھے

☆

اُلٹے سیدھے اکھشر لِکھ
غم کے دفتر دفتر لِکھ

صحراؤں کی بات نہ کر
دیواروں کے اندر لِکھ

سایوں سے تُو میل بڑھا
دیواروں کے خنجر لِکھ

ذکر ہمارا آئے گا
سوکھے پیاسے بنجر لِکھ

صحراؤں میں ساگر پر
نام اُسی کا بڑھ کر لکھ

دھیان اُسی کا من میں کر
نام اُسی کا اکثر لِکھ

پتھر پتھر میرا خون
منزل منزل ٹھوکر لکھ

من کے اجلے کاغذ پر
تن کی میلی چادر لکھ

نوک قلم کی اور بڑھا
یاروں کے بھی نشتر لکھ

شعر تمہارے پیاسے ہیں
یار کبھی تو پی کر لکھ

☆

رات کا پچھلا پہر آوارگی
ساتھ میرے دربدر آوارگی

گاؤں گاؤں پوچھتی میرا پتہ
آگئی ہے میرے گھر آوارگی

کس کی دھن میں پھیلتا ہوں چارسو
خود سے بھی ہوں بے خبر آوارگی

میں جنوں کی بیل پھیلوں ہر طرف
مجھ پہ اُگتا ہے ثمر آوارگی

کچھ بزرگوں کی دعائیں ساتھ ہیں
اُن دعاؤں کا اثر آوارگی

جی میں ہے اب ایک لمبی سی اُڑان
مجھ کو دے دے بال و پر آوارگی

☆

ٹکڑے ٹکڑے جب بٹ جاؤں شام گئے
دن کا سارا قرض چکاؤں شام گئے

گھر سے چلتے میں نے اکثر سوچا ہے
شاید ہی میں لوٹ کے آؤں شام گئے

سارا دن اس الجھن ہی میں بیت گیا
کیسے اپنا دل بہلاؤں شام گئے

دھوپ کے مارے لوگوں کو بھی صحرا میں
مل جاتی ہے پیڑ کی چھاؤں شام گئے

کس کاندھے پر اشک بہاؤں شام گے
کس کو اپنے زخم دکھاؤں شام گئے

پر پھیلائے مرغا بولا میر ایازؔ
جاگا میرے من کا گاؤں شام گئے

—

☆

زلف مُشکیں بدن مہکتا ہے
بوئے گل سے چمن مہکتا ہے

گرم سانسیں وہ عود کی لپٹیں
لب ہیں آتش دہن مہکتا ہے

پل کو بیٹھا تھا میری بالیں پر
حشر میں بھی کفن مہکتا ہے

ذہن میں اُس کی یاد آتے ہی
میرا سارا بدن مہکتا ہے

اُس نے سنیاس لے لیا شاید
کس کی آمد سے بن مہکتا ہے

☆

گوراچہرا تیکھا نقشہ ہونٹ گلابی نین کنول
کوئی بھی موضوع چُن لو کہنی ہے بے داغ غزل

چاندی سا شفاف بدن وہ چاندنی جیسا نورانی
پونم والی رات میں جیسے چم چم چمکے تاج محل

کالے کالے کیش بکھیرے جو گی تٹ پر وہ مژگان
گنگا جیسی آنکھوں میں جو ڈھونڈ رہے ہیں نیل کمل

اُس پر چمکیں لاکھ ستارے چہرے کی جب دھوپ پڑے
ناک کی نتھ ہے ہونٹ پہ ٹھہری جمنا تٹ پر تاج محل

سیپی سا وہ منہ جب کھولے کرنوں کی تب بارش ہو
موتی کی دو مالائیں اور اُن پر چمکے گنگا جل

کالی لٹ ہے ناگن جیسی کان کی لو ہے اُس کا پھن
اُس کی نظروں میں دھوکا ہے اس کی باتوں میں ہے چھل

اُس کا چلنا جیسے ہلنا پھولوں کی اِک ڈالی کا
شاخِ کمر ہے نازک ایسے لہراتی یا کھاتی بل

آج مدھر ہے لہجہ تیرا بول سہانے تیرے آیاز
آج غزل میں بات نئی ہے بات نئی تو کہتا چل

☆

شب فراق میں مرے وہ بال و پر کتر گیا
پرند اُس کی یاد کا نئی اڑان بھر گیا

یہاں پہ خون بہہ گیا وہاں پہ لاش گر پڑی
نہ جانے کون شخص تھا سفر تمام کر گیا

کسی کی نیند ٹوٹتی کوئی تو رات جاگتا
اِسی نگر میں رات کو کسی کا خواب مر گیا

نہ طائروں کا غول ہی ہماری چھت پہ آرکا
نہ اپنے گھر کے سامنے وہ کارواں ٹھہر گیا

دوپہر گزر گئی وہ سر کے بال جھڑ گئے
ایازؔ اتنی دیر میں ہمارا دن گزر گیا

☆

چھتیں اڑی ہیں دراڑیں پڑیں مکانوں میں
ستم کی گھاس اُگی ہے نگار خانوں میں

لہو لہو تھا بدن اُس کا ہاتھ ٹوٹے تھے
حنا حنا وہ پکاری تھی آستانوں میں

گھروں میں آج وہ کرب وبلا کا منظر تھا
سہمے سہمے تھے پرندے بھی آشیانوں میں

وہ جن کے نام پہ نکلیں گی کل کی تعبیریں
کئے ہیں خواب مقفل وہ قید خانوں میں

وہ جس کا وار موثر تھا ضرب کاری تھی
کھڑا ہوا تھا وہ قاتل بھی پاسبانوں میں

زمیں پہ ظلم بہت ہے خدا سے کہدیتے
گزر ہمارا اگر ہوتا آسمانوں میں

☆

اندھیری رات نوحے گا رہی ہے
خموشی شہر بھر میں چھا رہی ہے

زمیں پر خون اتنا بہہ گیا ہے
ہواؤں میں بھی خوشبو آ رہی ہے

ہری وادی کا افسوں ٹوٹتا ہے
خزاں کچھ رنگ وہ دکھلا رہی ہے

کئی لاشوں کی فصلیں کٹ چکی ہیں
کہ دھرتی خون میں نہلا رہی ہے

گھروں میں شور بھی اب تھم گیا ہے
گلی سے فوج بھی اب جا رہی ہے

☆

کس نے چاہا دولت دے
دینے والے برکت دے

تیرے قصر سلطانی
میرے سر پر تو چھت دے

اس کا ہاتھ نہیں دیتا
اُس کے ہاتھ کا ایک خط دے

میں نے تجھ سے منہ موڑا
ایسی کوئی تہمت دے

ملک تمہارا تو رکھ لے
تھوڑا مال غنیمت دے

کوچہ کوچہ رسوائی
ایک گلی میں شہرت دے

باغ ہمارے سوکھے ہیں
برکھا رت کی نوبت دے

☆

دور فصل بہار ہے اب بھی
ہر روش انتظار ہے اب بھی

کیسے جاتی ہے فطرت سیماب
زندگی بے قرار ہے اب بھی

دل کی قسمت میں نیم خوابی ہے
یہ تہجد گزار ہے اب بھی

جس میں سودو زیاں مساوی ہیں
بس وہی کاروبار ہے اب بھی

بات سرگوشیوں میں کرتے ہیں
اس قدر اختیار ہے اب بھی

نقش برآب مٹ گیا لیکن
ہر جگہ اشتہار ہے اب بھی

میر صاحب لیاز کی خاطر
اک شہر سوگوار ہے اب بھی

☆

اُن کے رخ کی کتاب پڑھتا ہوں
پھر غزل انتخاب پڑھتا ہوں

رات چہرے کی دھوپ میں اکثر
گیسوؤں کی کتاب پڑھتا ہوں

پھلیے کا جل کی ان لکیروں میں
اپنے خط کا جواب پڑھتا ہوں

چاند لکھتا ہوں اس بدن کو میں
جسم کو آفتاب پڑھتا ہوں

راہ میں اس کی دھول اڑنے پر
میں بھی کنت تُراب پڑھتا ہوں

ہونٹ ان کے ایاز کھلتے ہیں
شعر ایک لاجواب پڑھتا ہوں

☆

بحرِ ظلمات میں غرقاب ہوئی ہے لوگو
روشنی اب کے گراں خواب ہوئی ہے لوگو

جسکی تعبیر نہیں دیدہ وروں پر روشن
زندگانی بھی وہی خواب ہوئی ہے لوگو

ایک اِک کر کے گرے جاتے ہیں بستی کے مکاں
کوئی کھیتی کہیں سیراب ہوئی ہے لوگو

ایک ریلہ خس و خاشاک بہا کر گزرا
یہ تباہی پسِ سیلاب ہوئی ہے لوگو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کے سوچا ہم نے
کون تدبیر فتح یاب ہوئی ہے لوگو

دشت غربت میں چلی جیسے ہوائے کشمیر
پھر طبیعت مری شاداب ہوئی ہے لوگو

☆

اماں کہیں بھی نہیں دھوپ میں نہ چھاؤں میں
پڑا ہے درد کا موسم ہمارے گاؤں میں

لہو لہاں وہ مسافر یہ سوچ کر خوش تھے
سفر میں ایک بھی کانٹا چبھا نہ پاؤں میں

ہوا بضد کہ چراغوں کی لو نہ روشن ہو
مجھے یہ ضد کہ ہر اک طاق جگمگاؤں میں

مرے لہو کی ہر اک موج میں چراغاں ہو
ترے بدن کا اگر گیت گنگناؤں میں

پھسلتی ریت کی مانند ہے وہ مٹھی میں
نہ جانے کون سے لمحے اسے گنواؤں میں

جو قرض میں نے اٹھایا نہیں تھا میر آیاز
اسی کے سود کا بوجھا مگر اُٹھاؤں میں

☆

ذکر چھڑا ہے خوشبو کا
یا پھر تیرے گیسو کا

بستی بستی چرچا ہے
اب کے ایک پری رو کا

چاندی سا شفاف بدن
توڑ ہے کالے جادو کا

سودا آخر کار ہوا
اپنے دست وبازو کا

صحرا میں پھر شام ہوئی
سارا عالم ہے ہُو کا

☆

خود پر کیوں لی ذمہ واری
رب جو کرتا اچھا کرتا

پل بھر اس کو دیکھ سکوں
پہروں جس کو دیکھا کرتا

تو تھا تب بھی ایک خیال
تجھ کو پہروں سوچا کرتا

گلشن گلشن تیرا نام
پھولوں سے میں پوچھا کرتا

میری سوکھی دھرتی پر
بادل تیرا برسا کرتا

یہ تو تب کی باتیں ہیں
جب میں تجھ کو بھایا کرتا

میں ہی تیرا تھا محبوب
شعر تو میرے گایا کرتا

آتی جب جھلساتی دھوپ
گیسو کا تو سایا کرتا

☆

کتنے اچھے لگتے ہو جب تم ہنسنے لگتے ہو

چپ کی اوٹ سے کہتی ہے مجھ کو پیارے لگتے ہو

جب سے اس کو چھوڑ دیا تب سے آدھے لگتے ہو

اتنا غصہ ٹھیک نہیں دیکھو کیسے لگتے ہو

خاص تو کوئی بات نہیں سیدھے سادے لگتے ہو

اس کی کوئی بات کرے تب تو کھلنے لگتے ہو

ڈوب کے دیکھیں میر ایاز کتنے گہرے لگتے ہو

○

آب حیواں ہو پھر سرابوں میں
گر تری دید کا بھروسہ ہو
پھر ملا ہے بڑے تپاک کے ساتھ
پھر نئے ڈھنگ سے نہ دھوکا ہو

☆

سورج کی اک نگری تھی
خواب میں ہم نے دیکھی تھی
بچپن کے اس کھنڈر میں
ایک پری بھی رہتی تھی

دروازے پر دستک سن
تیز ہوا بھی چلتی تھی
شاید تیری جنی بھی
بوتل میں سے نکلی تھی

ٹک ٹک کرتی ایک گھڑی
سوئی جس کی ٹھہری تھی
لالی کس کے ہونٹوں کی
تجھ سے اب تک چپکی تھی

جانے کتنی صدیوں سے
گڑیا جیسی دکھتی تھی
گھنگھروں اُس کے پاؤں کے
اُس کے ہاتھ کی چوڑی تھی
ایک کھلونا ٹوٹا تھا
جس پر مجھ سے روٹھی تھی

☆

پیاس سچی سراب سچے ہیں
ان گنت آفتاب سچے ہیں

جو صحیفوں کے نام لیوا ہیں
سارے اہلِ کتاب سچے ہیں

جب تلک بھی فضا میں خوشبو ہے
خار جھوٹے گلاب سچے ہیں

پوچھنے دے مجھے سمندر سے
کن جزیروں کے خواب سچے ہیں

رشتے ناطے آیازؔ توڑے گا
ایسے خدشے جناب سچے ہیں

☆

تمارا نام لکھتا آسماں پر
مرا مسکن نہیں ہے کہکشاں پر

کنارہ کش ہوا دریا کا پانی
نظر اپنی ہے اب ابرِ رواں پر

در و دیوار میں بھی رنجشیں ہیں
پڑی افتاد کیسی اس مکاں پر

جہاں لوٹا تھا پہلے رہزنوں نے
وہیں بجلی گری ہے کارواں پر

اسے ممکن ہے خشکی کا پتہ ہو
پرندہ کوئی بیٹھا بادباں پر

☆

آنکھوں سے جب رم جھم برسا رات گئے
دید کا تیری سورج نکلا رات گئے

صبح ہوئی تو ایک بھی آیت یاد نہ تھی
ایک صحیفہ مجھ پہ اترا رات گئے

جن گلیوں میں سناٹوں کے ڈیرے ہیں
ان میں کیسا شور اٹھا تھا رات گئے

گلیوں گلیوں اپنے گھر کے دھوکے میں
دروازوں پر دستک دیتا رات گئے

کون دہکتی آگ میں جل کر خاک ہوا
کس کے تن کا کندن چمکا رات گئے

ایک اکیلا شاعر بیٹھا میر ایاز
خود کو اپنے شعر سناتا رات گئے

☆

رنگ خوشبو گلاب اب بھی ہے
ہر روش انقلاب اب بھی ہے

ہے اگر بادلوں کے نرغے میں
ضوفشاں آفتاب اب بھی ہے

مے کشوں کی وہ ٹولیاں گزریں
بچ رہی کچھ شراب اب بھی ہے

باعثِ افتخار تھا پہلے
فقر کار ثواب اب بھی ہے

دشمنوں سے تو جا ملا لیکن
شخص وہ لاجواب اب بھی ہے

بال جھڑنے سے کچھ نہیں بدلا
سر میں سودا جناب اب بھی ہے

☆

الف سے اللہ ب سے باللہ بسمہ اللہ
تختی کشتی کاغذ دریا بسمہ اللہ

اونٹ قلم کا تیرا ساتھی سنگی ہے
کاغذ کا ہے پھیلا صحرا بسمہ اللہ

پاؤں تیرے چلتے چلتے تھک جائیں
زور سے بستہ تھامے چلنا بسمہ اللہ

بیتے پل کو یاد نہ کرنا بیٹا جی
آنے والے یگ کا ہونا بسمہ اللہ

آنے والے موسم کا کیا ذکر کروں
آنے والا موسم تیرا بسمہ اللہ

آنے والی نسلوں کا ہے تو منشور
میرا بیٹا راجا بیٹا بسمہ اللہ

☆

اُن کے ہاتھوں میں وہ کالی لٹ ہمیں اچھی لگی
شاخِ صندل پر ہلالی لٹ ہمیں اچھی لگی

دمبدم وہ چھیڑنا اُس چمپئی رخسار کو
یہ پریشان کرنے والی لٹ ہمیں اچھی لگی

تھی رخِ تماز پر جو ابر کا سایا ابھی
ایک جنبش میں ہٹالی لٹ ہمیں اچھی لگی

ایک پل کو وہ بتِ طناز غافل کیا ہوا
ہم نے آنکھوں سے لگالی لٹ ہمیں اچھی لگی

مدتوں کے بعد اُس سے سامنا جوں ہی ہوا
اُس نے ہونٹوں میں دبالی لٹ ہمیں اچھی لگی

میرے شانے پر دہکتی ناگنوں کا جال تھی
تم نے ایسے میں ہٹالی لٹ ہمیں اچھی لگی

مدتوں کے بعد تم نے کیا غزل لکھی ایاز
ہاں تمہاری یہ خیالی لٹ ہمیں اچھی لگی

☆

موت کی بستی کا سا منظر لگا
اپنے ہی گاؤں میں مجھ کو ڈر لگا

فصل کٹتی ہے سروں کی جابجا
آپ کو یہ کھیت کیوں بنجر لگا

قطعہ

وہ متانت وہ ذہانت وہ خلوص
وہ مجھے اپنا نعیم اختر لگا

رات کو فاروقؔ صاحب خواب میں
پھر مہکتا وہ نگر ناگر لگا

ڈل کے پانی میں خدا کا عکس تھا
پاس کا وہ پیٹر پیغمبر لگا

ڈل کے پانی میں کنول اگتے رہے
میرے ماتھے پر مگر پتھر لگا

ذکر چھیڑا کس نے پھر کشمیر کا
تیر میرے دل میں پھر آکر لگا

☆

پریوں والی ایک کہانی روز سنایا کرتی تھی
دادی اماں لوری دے کر ہم کو سلایا کرتی تھی

تتلی کے شفاف پروں پر جس نے نغمے لکھے تھے
اس کے میٹھے شعر ہماری کویل گایا کرتی تھی

اپنا بچپن نیلے پیلے پھولوں کا گلدستہ تھا
چھوٹی سی اک بچی آکر پھول چرایا کرتی تھی

اُس کا بنایا ایک گھروندہ آج بھی ساحل پر ہو گا
ریت پہ لکھا نام ہمارا موج مٹایا کرتی تھی

میں نے اُس بچی نے بات نہیں کی نام بھی اُس کا یاد نہیں
میری آہٹ پاتے ہی وہ خود کو چھپایا کرتی تھی

☆

جوان پڑھ تھا تو سوچا بھی نہیں میں
کتابیں پڑھ کے سمجھا بھی نہیں میں

تیری آنکھیں کہانی کہہ رہی ہیں
ترا اصرار دیکھا بھی نہیں میں

ٹپکتی چھت کا رشتہ ہے فلک سے
کہا بادل نے برسا بھی نہیں میں

مزے کی نیند سوتا ہوں ہمہ شب
تری دوری میں تڑپا بھی نہیں میں

تری فرقت میں ہنسنا مسکرانا
دکھاتا ہے کہ تنہا بھی نہیں میں

گلے ملتا ہوں اپنے دشمنوں سے
کھلے خنجر سے ڈرتا بھی نہیں میں

☆

ذرا بھی وہ انداز بدلا نہ تھا
اسے میں نے مدت سے دیکھا نہ تھا

ہوا میں گلوں کی مہک تھی مگر
سمندر میں کوئی جزیرا نہ تھا

کرایے پہ اٹھتا تھا ہر روز وہ
اسے یوں کسی نے خریدا نہ تھا

سنا ہے کہ پیڑوں پہ رہتے تھے لوگ
زمیں پہ انہیں بھی بھروسا نہ تھا

گزرتے ہوئے موسموں کا لباس
تیری نیک نامی نے پہنا نہ تھ

☆

اترتا رہا صورت شعر وہ
کہ جس کو کبھی میں نے سوچا نہ تھا

بزرگوں نے صحرا میں دیکھے سراب
سرابوں میں صحرا کو دیکھا نہ تھا

یہ سچ ہے کہ رکتا نہیں میں مگر
مجھے تو کسی نے بھی روکا نہ تھا

اڑی تھی مری نیند تیرے لئے
مرے واسطے تو بھی سویا نہ تھا

رکھے طاقچے پر اسے کیوں آیاز
مرا شعر کوئی صحیفہ نہ تھا

☆

جنگل جنگل بھٹکوں گا
رشتے ناطے توڑوں گا
مچھلی بن کر جادو سے
ساگر تیروں گا
تجھ کو پڑھنا ہے تو پڑھ
جو جی چاہے لکھوں گا
دیوانوں کی ٹولی میں
بستی بستی ناچوں گا
بھاپ کی صورت اڑتا ہوں
بادل بن کر برسوں گا
اونچے محلوں میں اک دن
وحشی بن کر گھوموں گا
گلیوں گلیوں کیچڑ میں
ننگے پیروں گھوموں گا
تجھ کو کرنا ہے جو کر
میں تو آگ سے کھیلوں گا

چوراہے کے لڑکوں سے
گالی دینا سیکھوں گا
جس پر بھی کچھ لکھا ہو
ردی میں وہ بیچو گا
جی چاہے خاموش رہوں
جی چاہئے تو چیخوں گا
سننا ہو تو سن لوں گا
کہنا ہو تو کہہ دوں گا
کاغذ کی ہی ناؤ سہی
پانی میں تو اتروں گا
تیرے سارے باغوں سے
کچے سب چرالوں گا
جس سے اب تک دوٗر رہا
اُس کھنڈر میں جاؤں گا
تو جو کھڑکی بند کرے
میں وہ کھڑکی کھولوں گا

☆

نیلا نیلا بادل تھا
لہراتا اک آنچل تھا

اس کے گیسو یاد آئے
ایک گھنا سا جنگل تھا

چہرے پر تھی دھوپ کھلی
آنکھوں میں کیا کاجل تھا

بڑھ کر اس کے لب چومے
میں بھی کیسا پاگل تھا

شاید وہ بھی رویا ہو
تب ہی پھیلا کاجل تھا

☆

اب کے ایسا موسم ہو
یاد تمہاری کم کم ہو

خون کے آنسو روئے ہیں
آنکھ کسی کی پر نم ہو

مجھ کو گہری نیند آئے
ہجر کا ایسا عالم ہو

بچھڑے گا اب جانے کون
جانے کس کا ماتم ہو

آس کا سورج میر ایاز
یاس میں ڈوبا عالم ہو

☆

یاس کا ڈوبا ہے تارا
آس کا موسم بنجارا

سوچ ہماری کج رو تھی
بخت سکندر جم دارا

کوچ کی نوبت آئی ہے
بجنے کو ہے نقارا

کشتی والے ہیں درویش
بوجھ گرائیں گے سارا

چھوٹی بحریں میر ایاز
”لونگ دا جیسے لشکارا“

☆

تری زلف کا تار ہے کرالہ پن
جدا کر کے چھوڑے گا سر سے بدن
تمہارے لئے سوسن و نسترن
مرے واسطے دردورنج و محن
جو بارش کی بوندیں ٹپکتی رہیں
بڑھی رات بھر تن کی سوکھی تپن
مرا جسم زخموں سے گلنار تھا
نگاہوں میں تیرا دہکتا بدن
وہ ابرو سی قوس قزح تن گئی
وہ بادل کہ اڑتا ہوا پیرہن
غزل کہہ گئے ہیں نئی جو ایاز
غنی کے تتبع میں مشق سخن

☆

ٹوٹا تارا دیکھو جی
یہ اندھیارا دیکھو جی

ایک صحیفہ میری ذات
پارہ پارہ دیکھو جی

گلیوں گلیوں پھرتا ہے
مارا مارا دیکھو جی

راجا بیٹا لوٹا ہے
راج دلارا دیکھو جی

دریا دریا میرا خون
بہتا دھارا دیکھو جی

ہارنے والا جیت گیا
جیت کے ہارا دیکھو جی

☆

ہماری راتوں میں چاندنی تھی،
ہر ایک موسم میں روشنی تھی

تمہارے گیسو گھنے گھنے تھے
ہوا میں خوشبو تھی تازگی تھی

ہم اپنی تخلیق پوجتے تھے
ہماری فطرت ہی آزری تھی

خزاں رسیدہ شجر سے پوچھو
کبھی چمن میں بہار بھی تھی

وہ جس میں سنت کے تذکرے تھے
کتاب ہجرت میں کھو گئی تھی

ہم اپنا نوحہ بھی خود پڑھیں گے
کہ ہم نے اپنی مدح لکھی تھی

وہی چناروں کے سبز پتے
بہار آنگن میں آرکی تھی

☆

ہم اپنی تشہیر کر رہے تھے.
جو غم کی تفسیر کر رہے تھے

سنا عمارت ہی گر پڑی ہے
وہ جس کی تعمیر کر رہے تھے

وہ رستا ناسور دوسرا تھا
ہم اس کی تدبیر کر رہے تھے

لہو کی بارش کا تذکرہ تھا
وہ ذکر کشمیر کر رہے تھے

ہوئی تھی بہروں کی بھیڑ سامع
ایازؔ تقریر کر رہے تھے

☆

بہروں کی اِس بستی میں ہم شعر سنائیں گے کب تک
اندھے گاہک آئینوں کے مول لگائیں گے کب تک

شہر کی ہر دیوار پہ اپنی رسوائی کے چرچے ہیں
اپنے گھر کی دیواروں سے آنکھ چرائیں گے کب تک

آئینوں کے سوداگر کو لوگوں نے سنگسار کیا
عکسوں کے یہ سچے منظر لوگ دکھائیں گے کب تک

ہجر کی لمبی راتوں میں ہم خود سے باتیں کرتے ہیں
خود پر اپنے علم و ہنر کی دھاک بٹھائیں گے کب تک

بابا کرشن کے ڈیرے میں تو خوب نبا ہی میر ایاز
یہ تو کہیے لدھیانہ کو چھوڑ کے جائیں گے کب تک

• کرشن ادیب

☆

راستے منجمد پگھل جاتے
برف کے شہر سے نکل جاتے
کچھ چناروں کی آگ کی باتیں
کچھ خیالوں کے دیپ جل جاتے
کوئی دیرینہ دوست ہی آتا
ہم بھی فرقت میں کچھ بہل جاتے
کشتیاں وازوان، موسیقی
لوگ جب چاندنی میں ڈل جاتے
اب تو لاشوں کی فصل کٹتی ہے
پیڑ کٹنے سے دل دہل جاتے

بچ کے رہنا تھا ہم کو پھولوں سے
ہم ہی واقف نہ تھے اصولوں سے

☆

پریوں جیسی لڑکی تھی
بادل بن کر اُڑ تی تھی
برف گری ہے دور کہیں
آج یہاں بھی سردی تھی
چونچ میں خس کا تنکا تھا
چڑیا آنگن اتری تھی
جس کمرے میں سورج تھا
اس میں دادی رہتی تھی
میں نے چہرہ کب دیکھا
اس نے چادر اوڑھی تھی
خود تو ہلکے پھلکے تھے.
بیگم ان کی بھاری تھی

☆

گلیوں گلیوں دھوکا ہے
شہر کا نقشہ بدلا ہے
قاتل کا تو نام نہ لے
دیواروں پر لکھا ہے
بستی سچے لوگوں کی
رہبر جن کا جھوٹا ہے
جب سے تیری دید ہوئی
آنسو میٹھا میٹھا ہے
آج ملا تھا میر ایاز
پہلے سے کچھ اچھا ہے

☆

ہمارا موسم بدل رہا ہے
چھتوں سے "کٹھ کوش" پگھل رہا ہے
وہ بادلوں میں شگاف دیکھو
وہیں سے سورج نکل رہا ہے
تباہ بستی ہوئی ہے لیکن
کہیں پہ چولھا بھی جل رہا ہے
خزاں کے موسم دوام تجھ کو
نہ کل رہے گا نہ کل رہا ہے
وہاں پہ کونپل چٹخ رہی ہے
یہاں پہ سبزہ مچل رہا ہے
پگھلنے والی ہے برف ہر سو
ولر کا چشمہ ابل رہا ہے
فضا میں خوشبو بکھر رہی ہے
صبا کا جادو بھی چل رہا ہے
الاؤ پتوں کا جل رہا ہے
وہ دل کا پتھر پگھل رہا ہے

☆

اگرچہ دور تلک ریگزار ہے اب بھی
مری نظر میں کوئی آبشار ہے اب بھی

جدا ہوئے تو زمانہ گزر گیا لیکن
قدم قدمہ ترا انتظار ہے اب بھی

میں کب کا ٹوٹ چکا ہوں اسے خبر دینا
مرے جنوں پہ جسے اعتبار ہے اب بھی

اڑی ہے چھت کہ ستوں ٹوٹ کر گرے لیکن
مرے مکان کی بنیاد پائیدار ہے اب بھی

وہ تیرے نام کا سایا ہے تپتے صحرا میں
جو ہم پہ سایہ شاخ چنار ہے اب بھی

خزاں رسیدہ چمن نے یہی کہا مجھ سے
یہیں کہیں پہ نئی اک بہار ہے اب بھی

ایاز ڈوبتی کشتی کا وہ مسافر ہے
کہ جس پہ رحمت پرورگار ہے اب بھی

☆

رات کا لمبا سفر تنہائیاں
ساتھ میرے دربدر تنہائیاں

شب کی اس دہشت سے گبھرائی ہوئی
ڈونڈھتی ہیں میرا گھر تنہائیاں

آئینے میں دیکھتا ہوں اِک ہجوم
کررہی ہیں اب اثر تنہائیاں

آ سمیٹیں مل کے دونوں اک جگہ
کچھ ادھر ہیں کچھ اُدھر تنہائیاں

اپنے گھر میں پھیلتی ہیں چارسو
بیل بن کر ثمر تنہائیاں

☆

جو تری بستی کا باشندہ ہوا
مسکرایا بھی تو شرمندہ ہوا

رات گیسو میں مہکتا پھول تھا
صبح سورج بن کے تابندہ ہوا

میں سرابوں سے پرے ہوں دوستو
ریت پی پی کر میں پائندہ ہوا

میں کہ جس کے نام سے واقف نہیں
میں اُسی بستی کا باشندہ ہو
ا

واقعہ ایسا ہوا اک رات کو
آئینہ دیکھا تو شرمندہ ہو
ا

زندہ ہو تم اگر تو مرنا ہے ایاز
مر گئے تو کوئی کب زندہ ہوا

☆

ہم نے تو آفتاب مانگے تھے
تجھ سے کس نے سراب مانگے تھے

اس نے کانٹوں کی باڑھ رکھدی ہے
ہم نے تازہ گلاب مانگے تھے

چھین لی اس نے آکے بینائی
میری آنکھوں نے خواب مانگے تھے

اُن کو دی ہے سکون کی دولت
تجھ سے جو اضطراب مانگے تھے

میر صاحب ایاز کو دیکھو
محتسب سے حساب مانگے تھے

☆

چوراہے پر پیڑ کھڑا ہے
کس کا رستہ دیکھ رہا ہے

کرنیں مجھ سے پوچھ رہی ہیں
تم نے سورج کو دیکھا ہے

شام سے بیٹھا سوچ رہا ہوں
میرا تجھ سے کیا رشتہ ہے

مجھ کو بستی کے لوگوں نے
حال پہ میرے چھوڑ دیا ہے

دروازے پر میر ایازؔ
جانے کب سے آبیٹھا ہے

☆

اُن کے لب یا گیسو سوچ
رنگ مہلک یا خوشبو سوچ

سامنے میرے حاضر ہو
ایسا کوئی جادو سوچ

جور و جفا سے عاری تھے
کس نے ڈالی یہ خو سوچ

بسمہ اللہ پڑھ فال نکال
پھر جو ہوگا وہ تو سوچ

اس کی باتیں میر آیاز
کویل جیسی کوکو سوچ

☆

رب پہ ڈالیں بسمہ اللہ
فال نکالیں بسمہ اللہ

روگ یہ جیون بھر کا ہے
شوق سے پالیں بسمہ اللہ

چھوٹی بحروں کے استاد
شعر سنائیں بسمہ اللہ

آئیں گے وہ باز نہیں
دھوکہ کھائیں بسمہ اللہ

اتنی بھی کیا جلدی ہے
دیکھیں بھالیں بسمہ اللہ

جوش کے پیکر میر آیاز
ہوش سنبھالیں بسمہ اللہ

☆

جگمگاتا اک نگر ہے سامنے
رات کا لمبا سفر ہے سامنے

ہجر کی اندھی گپھا میں اک چراغ
ٹمٹماتا طاق پر ہے سامنے

دوستوں کے جل گئے سارے مکاں
دشمنوں کا ایک گھر ہے سامنے

رات ہم نے سینہ کوبی کی ایاز
ہم یہ سمجھے تھے کہ در ہے سامنے

☆

ہم ترا اعتبار کرتے تھے
رات بھر انتظار کرتے تھے

دل کا سودا بُرا نہیں ہوتا
ہم بھی یہ کاروبار کرتے تھے

اپنے غم کو چھپائے رکھتے تھے
کب اسے آشکار کرتے تھے

عشق تو ان دنوں بھی ہوتا تھا
لوگ کب اشتہار کرتے تھے

رُوکھی سوکھی پہ مطمئین ہو کر
شکر پروردگار کرتے تھے

اپنی کانٹوں سے آشنائی تھی
ہم بھی پھولوں سے پیار کرتے تھے

☆

دل کا قصہ وہی پرانا ہے
پھر نئے ڈھنگ سے سنانا ہے

ہم نے معشوق جس کو مانا ہے
اُس کا انداز عاشقانہ ہے

اپنی پہچان کے مسائل ہیں
شعر کہنا تو اک بہانہ ہے

دل کا ہر گز برا نہیں لیکن
اُس کا انداز جارحانہ ہے

سن کے بولے آیازؔ کی غزلیں
میرؔ پڑھنے کا شاخسانہ ہے

☆

کب تلک جاگتے رہو ، سو لو
خود کو اب الوداع کہو، سو لو

بادباں پھونک دو چراغوں کے
بحر ظلمات میں بہو ، سو لو

روشنی کی ٹھنی ہے ظلمت سے
تم ستم کس لئے سہو سولو

اُن کا وعدہ بجا مگر پھر بھی
ان کا آنا نہ ہو ،نہ ہو ، سولو
جیسے تیسے غزل ہوئی لیکن
ایک مقطع بھی اب کہو ، سولو

اب خدارا ایازؔ سونے دو
جو بھی کہنا ہے کل کہو،سو لو

☆

جن کو دریا کے پار ہونا تھا
کشتیوں میں سوار ہونا تھا

ٹوٹے پھوٹے چراغ لے کر بھی
روشنی میں شمار ہونا تھا

غم کسی کا اٹھالیا ہم نے
بر سر روز گار ہونا تھا

تم خوشی بھی اگر ہمیں دیتے
غم سے پھر بھی دو چار ہونا تھا

گل شمائل کی آمد آمد تھی
اس خزاں کو بہار ہونا تھا

دل کے بدلے میں دل اگر ملتے
عشق کا کاروبار ہونا تھا

جان ہی تو ایاز مانگی تھی
ہم پہ پھر اعتبار ہونا تھا

☆

پڑا ہے وقت ایسا دوستوں پر
کہ ٹھنڈک پڑ رہی ہے دشمنوں پر

یہ صحرا پانی پانی ہو گیا ہے
برستی آگ ہے وہ جنگلوں پر

خس و خاشاک بھی تو اب نہیں ہیں
یہ بجلی گر پڑی ہے پتھروں پر

میاں کہہ ڈالئے جو کہنا چاہئیں
نہیں کچھ بھی یہاں جذب دروں پر

زبان کہتی ہے آنکھیں دیکھتی ہیں
گزرتی کچھ نہیں اب کے دلوں پر

☆

درد کا رشتہ لاثانی
باقی سب کچھ بے معنی

دنیا دنیا کرتے ہو
دنیا آخر ہے فانی

عمر گریزاں فرصت دے
عشق کا قصہ طولانی

اُس سے بھڑنا ٹھیک نہ تھا
کر بیٹھے تم نادانی

ڈال گلے میں یہ تعویز
اس سے ہوگی آسانی

ہم کیا جانیں جوگی ہیں
گیانی کیا اور اگیانی

دولت والے دولت دیکھ
اپنی بے سرو سامانی

ہم ہیں چلیئے بے ایمان
تم ہی ٹھہرے ایمانی

کاغذ سارے بھیگ گئے
چھت سے ٹپکا وہ پانی
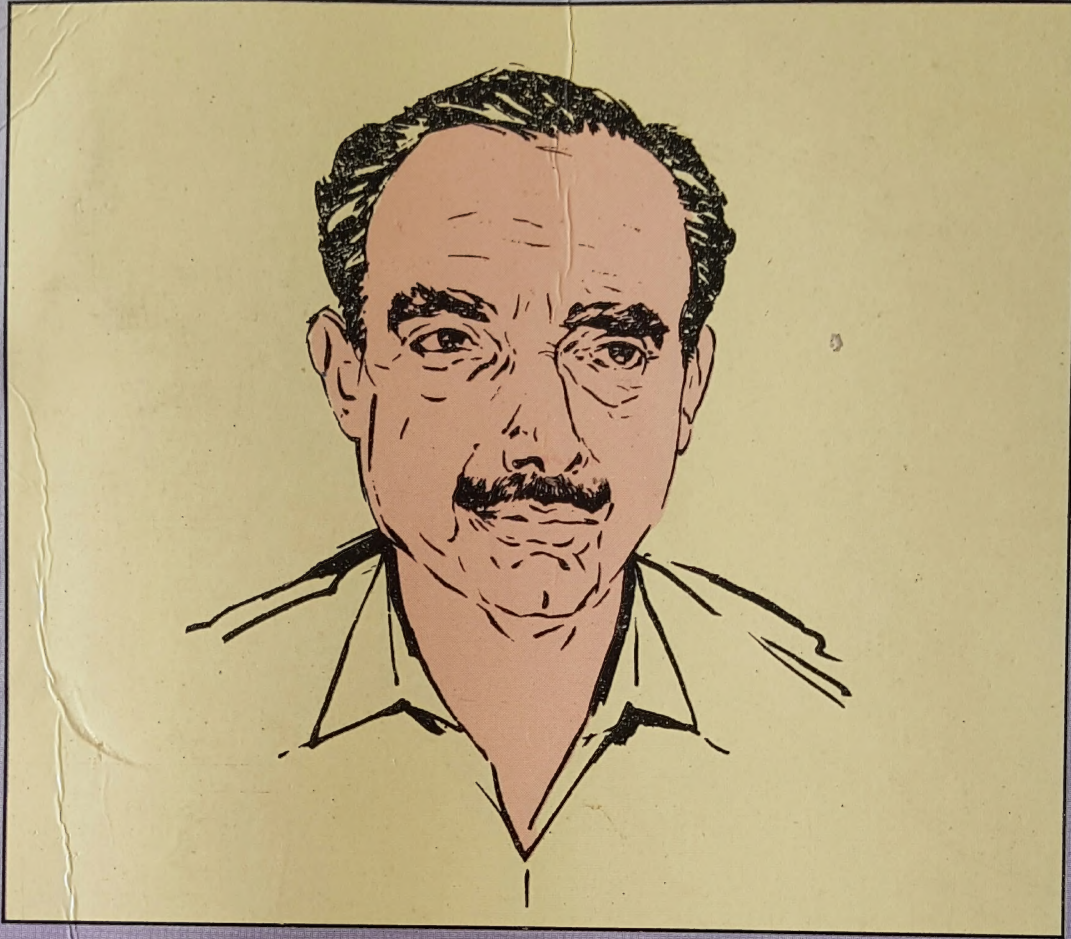
☆ حامدی کاشمیری، ایاز رسول کو نئی نسلوں کے ان گنے چنے شعرا میں شامل کرتے ہیں جو روایت اور جدت کے امتزاجی عمل سے لفظوں کی آئینہ بندی کرتے ہیں اور قاری کی حیرت کا سامان کرتے ہیں۔

☆ سید محمد عقیل رضوی مابعد جدید اردو غزل میں راست اظہاری کی کیفیت کی نشاندہی کرتے وقت ایاز رسول کی غزل پیش کرتے ہیں۔

☆ فاروق نازکی اقرار کرتے ہیں کہ ایاز رسول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ ''ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما'' کے مصداق جدید شعرا میں ان کی ایک الگ شناخت ہے۔

☆ کرشن ادیب کے نزدیک ایاز رسول ''شاعر خوش کلام'' ہے۔